R. No. 2406/57

Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 20

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۲ - شمارہ ۶ | ایڈیٹر آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ فروری ۱۹۶۳ء

ایم۔ اے جسن۔ جھنہروی

اُصول متعلق اعراب

۲۲ ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کے ہماری زبان میں "تلفظ اور املا کی اصلاح" عنوان سے جناب غلام رسول صاحب کا ایک مضمون شایع ہوا تھا۔ اس مضمون میں موصوف نے اعرابوں کے متعلق اپنا اصول پیچ گانہ پیش کیا ہے لیکن بدقسمتی سے میں آپکے ایک اصول سے بھی متفق نہیں ہوں۔

اعراب اور حروف علت کے متعلق ہماری پچھلی بہتیری بھولیں اور غلط فہمیاں ہیں۔ میں ان بھولوں کی اصلاح کرکے آگے بڑھنا اور اُردو تحریر میں کم سے کم علامتیں استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن موصوف ان بھولوں کو ساتھ لئے چلنا چاہتے ہیں۔ آپ میری اس تجویز کو کہ حروف اور اعراب ناموں کے بدلے آوازوں سے پڑھے جائیں مانتے ہیں۔ مگر خواہ مخواہ اعرابوں کا ناقابل فہم اور پیچیدہ نام برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ کاش! آپ دوہری محنت سے اپنے نونہال بچّوں کو بچا سکتے۔

جہاں تک آپ کے پہلے اصول کا تعلق ہے میں اس کی مخالفت کیونکر کرسکتا ہوں جبکہ یہ میرا ہی اصول ہے۔ میں نے اپنے پہلے ہی مضمون میں بتایا تھا کہ ہمیں حروف کو اس طرح پڑھنا چاہیے گویا ان پر زبر دیا ہوا ہو۔ مگر ا، و، ع اور ی کو چھوڑ کر کسی حرف پر زبر نہیں دیں گے۔ ا، و، ع، ی کا تلفظ کبھی ترتیب وار اَ، وَ، عَ، یَ، جیسے اَب، عَم، وَہ، یَہ اور کبھی آ، عا، و، (ऊ) اور ی (ई) جیسے آم، بعد، کو، اور کی بھی کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی ہر آواز کی صورت میں امتیازی فرق ضرور ہونا چاہیے۔

(۲) جزم کے استعمال میں موصوف نے کسی طرح کی اصلاح نہیں فرمائی۔ "نستعلیق" میں آپ نے سؔ اور عؔ پر جزم کی علامت استعمال کی ہے۔ "نستعلیق" میں 'ع' (عربی) اور 'ی' حروف علت ہیں اس لئے میری تجویز کے مطابق بغیر جزم کے ہی آپ کو 'تع' اور 'لی' رواں پڑھنا ہی ہے۔ کیونکہ حروف علت کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے حرف سے مل کر ایک ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بَا، بِی، بُو، لکھنا لسانی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ ان کو سیدھے طور پر با، بی، بو، ہی لکھنا چاہیئے۔ 'نس' پہلے اصول کے مطابق جزم کی غیر موجودگی میں 'نس' ہی پڑھا جائے گا۔ اب 'ق' اکیلا بچ گیا اس لئے اس کو اپنے قریب کے جزو کلمہ (لی) کے ساتھ ملنا ہی ہے۔ یعنی نس ـ تع ـ لیق 'نستعلیق' واضح ہوا کہ "نستعلیق" پر کسی طرح کی علامت دینا فضول ہے۔

(۳) تعجب ہے۔ موصوف 'و' (واؤ) کو پیش کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ 'و' کی اپنی الگ خاص حیثیت ہوتی ہے۔ یہ کبھی 'و' (व) کبھی 'و' (ऊ) کبھی 'و' (ओ) اور کبھی 'و' (औ) پڑھا جاتا ہے۔ وکیل میں (و) بطور حرف صحیح لیکن مُول (मूल) مول (मोल) اور موت (मौत) میں بطور حرف علت استعمال ہوا ہے۔ اس لئے دوسرے اصول کے تحت 'و' کی موخرالذکر صورتوں کے قبل کسی طرح کا اعراب دینا تکلف بے جا ہے۔

(۴ - ۵) مذکورۂ بالا اصول کے مطابق آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ واؤ لین اور یائے لین سے پہلے کا حرف مفتوح اور یائے معروف اور یائے مجہول سے پہلے کا حرف مکسورہ نہیں ہوگا۔

نوٹ:۔ دیا (رحم) اور بیا (پرندہ) پر زبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر زبر کے علاوہ زیر یا پیش دینے کی ضرورت ہو تو البتہ دیں گے۔ جیسے دِیا = (दिया) اور لِیا = (लिया) وغیرہ۔ واضح رہے کہ دیا اور لیا میں

'ی' اور 'ا' حروف علت ہیں۔ لیکن بموجب قاعدہ اگر دو حروف علت ایک ساتھ آویں تو ان میں سے پہلا حرف صحیح بن جاتا ہے جیسے گواہ، اور خیال میں 'و' اور 'ی' بطور حرف صحیح استعمال ہوئے ہیں۔

میں نے بارہا ٹوکا ہے کہ تشدید (ّ) جزم (ْ) اور نیمہ اعراب نہیں ہیں مگر موصوف اپنی تائید میں معقول دلیل پیش کرنے کے بجائے انھیں اعراب کہنے پر مصر ہیں۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ یا تو اپنی غلط فہمی کی اصلاح فرمائیں یا ان کے اعراب ہونے کی دلیل پیش کریں تاکہ تکرار بحث نہ ہو۔

آپ نے ۱۵ر نومبر ۱۹۶۲ء کے ہماری زبان میں نیمہ کی جو تعریف بتائی ہے میں اُس سے بھی متفق نہیں ہوں۔ اول تو یہ کہ آپ نیمہ کے متعلق خود ہی غلط فہمی میں ہیں اور یہ غلط فہمی صرف اس لئے پیدا ہو رہی ہے کہ آپ نے ساکن حروف کی علامت کا نیمہ نام رکھا ہے۔ نیمہ کے متعلق آپ فرماتے ہیں "نیمہ کا استعمال خاص طور پر اُردو میں نون غنہ اور یائے مخلوطی کی صورت میں سنسکرت کے سیکت سے شروع ہونے والے الفاظ میں ہوتا ہے۔ اس کا کام نیمہ والے حرف کو مدغم ظاہر کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اظہار میں وقفے کے بجائے سکتہ واقع ہوتا ہے" غور کیجیے نیمہ کی کتنی مبہم تعریف کی گئی ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس تعریف سے مبتدی کیا اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات بھی نیمہ کی حقیقت نہیں سمجھ سکیں گے۔ انصاف کی بات تو یہ بھی کہ ہم نیمہ کو سکون اور سکون والے حرف کو ساکن اور دو حروف کو محض ملانے والی علامت کو جزم کہتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج تک ہم جَلْ، قُفْل میں 'ل' کو ساکن کہتے آئے ہیں لیکن درحقیقت یہاں پر 'ل' ساکن نہیں ہے۔ میں یہاں 'ل' کو محض ایسا حرف مانتا ہوں جو لازمی طور پر اپنے پہلے حرف کے ساتھ مل کر ایک ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے جزم دینے سے اس کی آواز قدرے گھٹ جاتی ہے، اور تقطیع میں ہم جزم والے حرف کو ساکن گنتے ہیں۔ جو بھی ہو انشاء اللہ آئندہ جب میں انگریزی الفاظ کے تلفظ سے بحث کروں گا تفصیل کے ساتھ نیمہ (جس کو میں سکون کہنا چاہتا ہوں) پر روشنی ڈالوں گا۔

موصوف نے اپنے مضمون میں 'ی' کی مختلف صورتوں (یٖ، ﯾ، ﯿ، یٰ) کی میری تجویز پر بھی تبصرہ فرمایا ہے آپ کا کہنا ہے کہ میں نے 'ی' کے نقطے اُڑا کر پیچ و خم کی علامتیں تجویز کی ہیں۔ حالانکہ میں نے اپنی تجویز میں دو نقطوں کو ہی بنیاد مان کر اور اُنھیں مختلف انداز سے ترتیب دے کر ہر آواز میں قابلِ فہم فرق پیدا کیا ہے۔ کیا عام تحریر میں جب ہم نقطے لکیروں کی طرح ہی دے دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میرے سے نقطے ہی اُڑا دیے گئے؟

میں اپنی مجوزہ علامتوں (ــِ ـٖ ـٰ ـ۔) کو ایسا مانتا ہوں گویا ان کے دونوں سروں پر نقطے لگے ہیں۔ میں زیر کو بھی 'ی' (ﮯ) کے دو نقطوں کی اور پیش کو 'و' (ُ) کی مجہول صورتوں کا نمائندہ مانتا ہوں اس لئے اگر ہم میل کو मैल، مِیل کو मेल، مِیل کو मील اور مَیل کو मयल لکھیں تو 'ی' کی جملہ صورتوں میں امتیازی فرق پیدا ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لئے ایک بہت بڑا دردِ سر ختم ہو جائے گا۔ یہ اصول اتنا آسان اور سائنٹفک ہے کہ آج ہی سے اس پر تمام تعلیمی اداروں، اخبار اور رسالوں میں پابندی سے عمل کیا جا سکتا ہے اور اگر عمل کیا جائے تو ہم ان عبارتوں کو قطعی طور پر وہی پڑھیں گے جو لکھا ہوا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ہماری موجودہ کتابیں بھی بیکار نہیں ہوں گی کیونکہ جہاں کہیں بھی ہم 'ی' کے دو نقطوں کی مروجہ ترتیب لکھیں گے 'میل' کو عبارت کے مطابق मैल یا मेल، मील، मयल پڑھ لیں گے۔

موصوف کا کہنا ہے کہ اُردو کے حروف ترکیبی ہوتے ہیں اور ان کی پہچان صرف شوشوں اور نقطوں سے ہی کی جاتی ہے۔ تو کیا 'اَمَل' میں (م) کے بعد کا شوشہ (ـٹ) اور شوشہ کے نیچے دو نقطوں کی نمائندہ لکیر اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ وہ حرف یقینی طور پر 'ی' کی ہی کوئی نہ کوئی صورت ہے۔ پھر بھی اگر آپ نقطوں کے لئے ہی بضد ہیں تو مجوزہ لکیروں کے دونوں سروں پر نقطے لگا دیجیے۔ یعنی मील = مِیل۔

آپ دو نقطوں کو جس انداز سے ترتیب دیں اور 'ی' کی ہر صورت کے لئے جو بھی ترتیب مقرر کریں لیکن میں نقطوں کے علاوہ دوسری ناقابلِ عمل علامتیں استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے صرف لکھاوٹ ہی گنجان نہیں ہوگی بلکہ لکھنے کی رفتار بھی کم ہوگی اور لازماً اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ہم علامتیں استعمال نہیں کر سکیں گے اور دقتیں جوں کی توں بنی رہیں گی۔

موصوف نے اس کے لئے جو تجویز پیش کی ہے وہ نئی نہیں ہے۔ ایک زمانہ ہوا انجمن ترقی اُردو ہند نے یہی تجویز منظور کی تھی، اور بہت سے تعلیمی اداروں اور راقم الحروف نے بھی اسی اصول کے تحت پرائمر لکھا تھا مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس اصول کا قاعدہ لکھنے کے سوا کسی اور جگہ استعمال نہیں ہوا اور مجبوراً ہم پھر سے اس مسئلے پر غور کرنے بیٹھے ہیں۔ 'و' کی چاروں صورتوں کی تجاویز میں کسی طرح کا ٹکراؤ نہیں ہے۔ البتہ میں (औ) کے لئے نئی یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اس کے سر کو درمیان میں کھلا لکھا جائے جیسے औ = وٗ، व = وُ، ऊ = وٗ، اور ओ = وٗ۔ یعنی وَہ = वह، بول = बोल، بَول = बौल اور بُوٹ = बूट۔

میں آخر میں اردو دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچیں کیونکہ املا کی اصلاح میں مذکورہ بالا چھ اعرابوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اگر ہم نے یہ کام کر لیا تو نصف سے زیادہ منزل ہم پار کر جائیں گے۔

ہماری زبان

۸ فروری ۱۹۶۳ء

ذہن کا دریچہ کھلا رکھیے

ترگنیف کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ اپنا تخلیقی کام کرتا تھا تو اُس کے پیروں کے نیچے گرم پانی کی بوتل ہوتی تھی اور اُس کے کمرے کا دریچہ سامنے کے باغ کی طرف کھلا ہوتا تھا۔ ہمارے میر صاحب کے متعلق آزاد نے کہا ہے کہ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے اور اُن کے ایک امیر دوست اُنھیں ایک ایسے مکان میں لے گئے جس میں باغ بھی تھا۔ میر فکرِ سخن میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ انھیں بہت دن تک اس کا پتہ ہی نہ چلا کہ جس کمرے میں وہ مقیم ہیں اُس کی کھڑکی باغ کی طرف کھلتی ہے۔ آخر ایک دن اُن کے دوست نے اُنھیں بتایا تو اپنے مسودوں کی طرف اشارہ کرکے بولے کہ میں تو اِس باغ کی فکر میں ایسا لگا ہوا ہوں کہ اُس باغ کی مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔

مجموعی طور پر یہ بات آج بھی ہمارے بہت سے ادیبوں اور شاعروں پر صادق آتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ باغ کی کھڑکی بند ہے اور گرم پانی کی بوتل یا تو اتنی گرم ہے کہ اُس کے اثر سے دماغ پر ابخرات چڑھ گئے ہیں یا اتنی ٹھنڈی ہو گئی ہے کہ اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ پھر شاعروں اور ادیبوں کا ہی یہ حال نہیں، بلکہ پوری قوم اِسی کشتی میں سوار ہے۔ اگر ہم اپنے ذہن کا دریچہ کھلا رکھیں تو چند ایسے حقائق ہمارے سامنے آئیں گے جن سے کسی طرح ہم غفلت نہیں برت سکتے۔ ان کا گنانا نامناسب نہ ہوگا۔

(۱) اقبال کے الفاظ میں عشق کو عقل خداداد کی پیروی کرنی چاہیے۔

(۲) عقل خداداد ہمیں علم کی طرف لے جاتی ہے۔ علم میں نہ صرف اپنا علم بلکہ گرد و پیش بلکہ کائنات کا علم بھی شامل ہے۔

(۳) دنیا چونکہ کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اس لئے اُس کے متعلق پرانے اندازے سب غلط ہو گئے ہیں اور اب ایک پل پہلے جو کچھ تھا اب ہے اُس کا ہمیں نہ صرف علم بلکہ عرفان ہونا چاہیے۔

(۴) علوم طبیعی کی حیرت انگیز ترقی نے اور سماجی علوم کی نشوونما نے دنیا کو جو غیر معمولی دولت عطا کی ہے اس سے ابھی وہ مناسب کام نہیں لے سکی ہے۔

(۵) فطرت پر حکمرانی اور طاقت کے نئے نئے امکانات نے اُن لوگوں میں جن کے پاس سب کچھ ہے ایک نشہ بھر دیا ہے، وہ اپنی طاقت کے بل پر دھونس جمانے لگے ہیں اور اُنھیں اس کا احساس نہیں کہ دنیا کا بڑا حصہ ابھی بنیادی ضروریات کو ترستا ہے۔

(۶) مادّی ترقی کے ساتھ انسانی، اخلاقی، سماجی قدریں بھی سب کو ملتیں تو ایک توازن رہتا۔ مگر مادّی ترقی نے انسانی، اخلاقی اور سماجی قدروں کو جذب نہیں کیا، ان کا اوپر سے احترام کافی سمجھا۔ اس عدم توازن کی وجہ سے ہر جگہ مادّی ترقی کے آغاز کے ساتھ ایک اخلاقی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

(۷) جو قومیں ابھی آزاد ہوئی ہیں، اُن میں برسرِ اقتدار طبقہ قوم کے آدرشوں پر چلنے کے بجائے، اُن آدرشوں کا نام لے کر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ چند سچے رہنما مستثنیات میں سے ہیں۔

(۸) آدرشوں پر عوام اب بھی یقین رکھتے ہیں مگر روزمرہ زندگی میں ان کی پامالی دیکھ کر ان کا یقین متزلزل ہو جاتا ہے۔

(۹) ٹیکنالوجی اپنے ساتھ بے انتہا مصروفیت اور نتیجے میں تھکے ہوئے اعصاب کے لیے سستی تفریح لاتی ہے جس کی وجہ سے تہذیبی قدریں پامال ہوتی ہیں۔

(۱۰) ٹیکنالوجی نے کاریگروں کی پیداوار کو کافی سمجھا ہے، وہ انسانیت کی بنیادی قدروں کی طرف توجہ نہیں کرتی۔

(۱۱) کوئی ملک علٰحدہ نہیں ہے۔ افریقہ یا آسٹریلیا کی بساط پر اگر زلزلہ آتا ہے تو اُس کی دھمک ہندوستان میں محسوس ہوتی ہے اس لئے اب دوسرے ملکوں کے متعلق کا حصۂ علم پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔

(۱۲) سچی قومیت جو بالآخر بین الاقوامیت کی طرف لے جاتی ہے کسی اونچ نیچ کی روادار نہیں ہے خواہ وہ مذہب کی بنا پر ہو یا ذات برادری کی بنا پر یا زبان کی بنا پر یا علاقے کی بنا پر۔

(۱۳) بجلی سے پہلے مٹی کے تیل کا رواج تھا، اُس سے پہلے موم کی شمعوں کا۔ اب جوہری توانائی سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ جوہری توانائی کے دور میں موم بتی کا چراغ نہیں جل سکتا۔

(۱۴) جوہری توانائی کے قافلے میں شامل ہونے والوں کے پاس اگر انسانیت کی قدریں ہیں تو خیریت ہے، ورنہ یہ دور تباہی کی طرف لے جائے گی۔

(۱۵) یہ دور جمہوریت کا ہے، مگر جمہوریت کے معنی اکثریت کی آمریت کے نہیں، نہ اقلیت کے اس نعرے کے ہیں کہ لاؤ میری چنے کی دال۔

(۱۶) قومیں عام طور پر اخلاق کی بنا پر نہیں اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنی پالیسی بناتی ہیں۔ اس لئے اخلاق پر ایمان کے ساتھ اپنے مفادات کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

(۱۷) اچھا سماج امن پسند ہوتا ہے مگر جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ جنگ کی تیاری جنگ کو روکنے کے لئے مفید ہو سکتی ہے کیونکہ بد قسمتی سے اخلاقی طاقت کا لوگ اعتراف تو کرتے ہیں مگر مادی طاقت کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

(۱۸) جو ظرف خالی ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ آواز دیتا ہے۔ خاموشی گمبھیر ہے۔ جو باتیں زیادہ کرتے ہیں وہ عمل کے میدان میں نیم جان ثابت ہوتے ہیں۔

(۱۹) جو قوم اپنا احتساب نہیں کر سکتی اُسے دوسری قوم پر نکتہ چینی کا کیا حق ہے۔

(۲۰) ہنگامی حالات میں اس بات کی ضرورت اور بھی شدید ہوتی ہے کہ روزمرہ کا کام خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔ لندن پر جب بمباری ہو رہی تھی تو ایک دُکان پر یہ بورڈ لگا تھا کہ "کاروبار بدستور"۔

ان اشاروں کی کچھ وضاحت آئندہ کسی شمارے میں کی جائے گی۔

(باقی)

آندھرا پردیش میں اسپیشل اُردو آفیسر کا تقرر

نواب میر احمد علی خاں وزیر تعمیرات (آندھرا پردیش) نے ۲۹ جنوری کو اردو ہال (حیدرآباد) میں غیر اُردو داں تعلیم یافتہ افراد کو اُردو دانی کی سندیں تقسیم کرتے ہوئے، اس کا انکشاف کیا کہ حکومت آندھرا پردیش نے ریاست میں اُردو کے موقف کے تحفظ اور اُردو دانوں کی شکایات اور مشکلات کو دور کرنے کے لئے چیف سکریٹری کے تحت ایک اسپیشل آفیسر کا تقرر کیا ہے جس سے کئی دقتوں اور مشکلات کو دور کرنے میں کافی مدد ملی ہے۔ اب اُردو کے اداروں اور اُردو داں افراد کا فرض ہے کہ وہ اپنے جائز حقوق کے حصول کے لئے متعلقہ افسر کو توجہ دلائیں اور انھیں حاصل کریں۔ موصوف نے کہا کہ ریاستی حکومت کے ہر محکمہ میں اُردو میں درخواستیں دی جاسکتی ہیں اس طرح سرکاری ملازمین کے لئے اُردو سیکھنے کے لئے فضا پیدا ہو گئی ہے۔ اُردو کے اداروں کا یہ فرض ہے کہ وہ تلگو داں افراد کو اُردو سکھانے پر توجہ دیں اور اس سلسلے میں ضروری اقدام کریں۔ وزیر تعمیرات نے کہا کہ آندھرا پردیش میں اُردو کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے تین پہلو ہیں ایک تو یہ کہ اُردو کو علاقائی زبان قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ سرکاری ملازمتوں پر تقرر کے لئے اُردو داں افراد کے تقرر میں کوئی بنیادی رکاوٹ نہیں ہے۔ سرکاری دفاتر میں اُردو درخواستوں کو پیش کرنے کی عام سہولت کے پیشِ نظر اُردو داں ملازمین کی ضرورت بھی ہے۔ آندھرا پردیش کا صدر مقام حیدرآباد ہونے کی وجہ سے بھی تلگو داں افراد، اُردو کے اس شہر کی زندگی میں گھل مل جانے کی پُرخلوص خواہش رکھتے ہیں اور کئی ایسے لیڈر اور ممتاز تلگو داں افراد ہیں جو اس وقت اُردو سیکھنے پر توجہ دے رہے ہیں، اور کئی ایسے اصحاب نے اُردو سیکھ لی ہے۔ وزیر تعمیرات نے انجمن ترقی اُردو کی جانب سے غیر اُردو داں تعلیم یافتہ اصحاب کو اُردو سکھانے پر مبارکباد دیتے ہوئے مسٹر حبیب الرحمان کی شخصی دلچسپی و مساعی کی ستائش کی اور کہا کہ اگر یہی جذبہ مختلف زبانوں خصوصاً تلگو اور اُردو کے تمام اداروں کے کارکنوں میں پیدا ہو تو اس سے جذباتی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کو فروغ دینے میں زبردست مدد مل سکتی ہے۔ انھوں نے کہا اگرچہ ریاستی حکومت نے تلگو ملازمین کے لئے ہندی یا اُردو ٹسٹ کی کامیابی کو لازمی قرار دے کر اس جذبے کو بڑھانے کے لئے ایک بنیاد قائم کر دی ہے تاہم اُردو اداروں کی جانب سے بھی دیگر افراد کے لئے اُردو سکھانے کا انتظام کیا جانا چاہیئے۔

ابتدا میں مسٹر حبیب الرحمن معتمد عمومی انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے بتایا کہ تعلیم یافتہ غیر اُردو داں سرکاری ملازمین اور طلبہ کے لئے پہلی بار اُردو سکھانے کا بندوبست ان ہی کی خواہش پر کیا گیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء سے دسمبر ۱۹۶۲ء تک تین ماہ کے دوران چار سو ساٹھ گھنٹوں کی تعلیم کے بعد گیارہ افراد کو اُردو دانی کے سرٹیفکٹ دئے گئے جن میں تلگو، تامل، سندھی اور کونکنی بولنے والے تعلیم یافتہ افراد شامل ہیں۔ (ریاست حیدرآباد)

بزم سخن نئی دہلی میں شامِ اختر

۲۷ رجنوری کو بزم سخن موتی باغ (نئی دلی) کے زیر اہتمام علی جواد زیدی کی صدارت میں اُردو کے مشہور شاعر ہری چند اختر کی یاد میں شامِ اختر منائی گئی۔ جناب جگن ناتھ آزاد نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ یہ اُردو زبان کی بد قسمتی ہے کہ وہ اختر کی بے وقت وفات کے باعث ان کی خدمات سے محروم ہو گئی اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کا یہ خواب کہ وہ علی گڑھ آ کر اُردو کی خدمت کر سکیں باوجود پروفیسر آل احمد سرور کی انتہائی کوششوں کے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

زیدی صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اختر صاحب کا کلام جو 'کفر و ایمان' کی شکل میں شائع ہوا ہے، ان کی تخلیقات کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ انھوں نے بزم سخن کو مشورہ دیا کہ وہ اختر صاحب کے ہندوستانی اور پاکستانی دوستوں سے اُن کا غیر مطبوعہ کلام فراہم کرکے شائع کرنے کا انتظام کرے۔ یہ اُردو ادب کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ (صابر ابوہری)

شہاب سرمدی

بہت ہو چکی ——

بجا کہہ رہے ہو
بہت ہو چکی
وہ محبت سے، یا صداقت شگفت کے ناتے سہی،
یا بڑھے حوصلوں کے سہارے سہی
ایسی تو تھی لگی،
ایک ہی دھن میں کھویا ہوا
میں نہ جانے کہاں سے کہاں آگیا۔
تم نے اکثر تو یہ بھی کیا
مجھ کو چونکا دیا،
پھر بھی خوش فہم دل، چند ٹوٹ کٹ اُمیدوں کے ہاتھوں بکا
اپنی ضد پہ مچلتا رہا۔
اُس کو شاید یہ ارمان تھا
زندگی، زندگی سے ملے
پھول سی کھِل اُٹھے
دور، نزدیک خوش بو اُڑے
رنگ نکھرے۔
میری شاخ پر ہر کلی
آنکھ یوں کھول دے جیسے بچہ کوئی
ماں کی آواز پر مسکرانے لگے۔
ایک اُٹھتے ہوئے چاند کی روشنی
دودھ کی دھار سی
دھیرے دھیرے اُبھرتی، اُبلتی ہوئی
ساری دھرتی پہ چاندی بہانے لگے
سارا آکاش یوں جگمگانے لگے
جیسے دیپک سے دیپک جلیں۔
یہ، اور ایسے ہی خوابوں کے خاکے کئی
رنگ بھرنے کو تھے
تم نے اچھا کیا
میرے سپنے مجھے دے دیے
ورنہ یہ ریشمی سلسلے
نرم و نازک بھی تھے۔
پھر مجھے تو انھیں کے سہارے ابھی تیز چلنا بھی ہے، دور جانا بھی ہے
یہ نیا جُگ، نیا جگ، نئے راستے
اور ان کے نئے فاصلے
(جن سے تم آج کترا گئے)؟
طے کروں گا اکیلے، جہاں تک بنے۔
یہ نہ سمجھو امیدوں کی شام آگئی
یا مری زندگی مجھ سے کترا گئی
میں وہی، میری منزل وہی
میرے آسان و مشکل وہی
میری ساری کمائی کا حاصل، مرا چوٹ کھایا ہوا دل وہی
چند زخموں کا کیا، وہ تو بھر جائیں گے
ہاں کوئی چیز اندر سے بل کھا گئی
تم بجا کہہ رہے ہو
بہت ہو چکی !!!

ابراهیم فیض

حوصلوں سے کام لینا ہے

وطن کی آبرو کا پاک دامن تھام لینا ہے
یہ وقتِ امتحاں ہے حوصلوں سے کام لینا ہے
وطن خطرے میں ہو تو زندگی کی عشرتیں کیا ہیں؟
وطن خطرے میں ہو تو گیسوؤں کی جنبشیں کیا ہیں؟
ہمیں تلوار کے سائے میں اب آرام لینا ہے
وطن کی آبرو کا پاک دامن تھام لینا ہے
یہ وقتِ امتحاں ہے حوصلوں سے کام لینا ہے
وطن کی سرحدوں سے ڈوبتی آواز آتی ہے
دلوں میں گرمیِ احساس کے شعلے جگاتی ہے
ہمیں اب جذبۂ حُبِّ وطن سے کام لینا ہے
وطن کی آبرو کا پاک دامن تھام لینا ہے
یہ وقتِ امتحاں ہے حوصلوں سے کام لینا ہے
وطن کی آن کی خاطر ہمیں اب گھر لٹانے ہیں
ترنگی شان کی خاطر ہمیں اب سر کٹانے ہیں
ہمیں اب زندگی کا موت سے انعام لینا ہے
وطن کی آبرو کا پاک دامن تھام لینا ہے
یہ وقتِ امتحاں ہے حوصلوں سے کام لینا ہے

نشور واحدی

غزل

تیز تر لہجۂ گفتار کیا ہے ہم نے
برگِ گل کو کبھی تلوار کیا ہے ہم نے
شعلۂ تیغ کو آغوشِ نظر میں لے کر
زیست میں موت کو بھی پیار کیا ہے ہم نے
امن کہتے ہیں جسے شرط ہے آزادی کی
سارے عالم کو خبردار کیا ہے ہم نے
میکدہ والوں کو ساقی کا حوالہ دے کر
ایک آواز سے ہشیار کیا ہے ہم نے
غیر کے خام ارادوں کو کیا ہے پسپا
عزم کو آہنی دیوار کیا ہے ہم نے
نالۂ دردِ محبت کے عناصر لے کر
رنگِ ہولی کا بھی تیار کیا ہے ہم نے
برف کو برفتہ کے صحراؤں سے کیا ہے پانی
آگ کو آگ سے ہموار کیا ہے ہم نے
حسن کو خلوتِ عاشق سے رہائی دے کر
رونق کوچہ و بازار کیا ہے ہم نے
خون کے داغ چٹانوں پہ جو پائے بھی نشورؔ
جسم کو لالۂ کہسار کیا ہے ہم نے

پامتاک کرشن

بابائے قوم کا مکتوب

اس بار جو کل ہند اردو کانفرنس ملتوی ہو گئی تو ہندوستان کی ادبی فضا خصوصیت کے ساتھ اردو کی ادبی فضا کچھ بے کیف سی رہی۔ تسکین کے لئے پچھلی کانفرنسوں کی رپورٹیں ہی پڑھنے لگا۔ سنہ ۱۹۳۹ء کی سردی میں ایک کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی (اردو جاننے والے جانتے ہیں [illegible]) ہوئی تھی۔ اسی کانفرنس کو شریک نہ ہونے کی صورت میں، بابائے قوم مہاتما گاندھی نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اردو میں ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ یہی پیغام قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ نقل بجنسہ

بھائی صاحب

آپکا تار ملا تھا۔ مجھے دکھ ہے کی آپکے جلسے میں میں حاضر نہیں ہو سکتا ہوں۔ میری امید ہے کہ جلسہ ہر طرح کامیاب ہوگا آپ جانتے ہیں کی میں اردو زبان کی ترقی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کی سب ہندو جو ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اردو سکھیں اور مسلم ہندی سکھیں،

آپکا
گاندھی

سیگاؤں
واردھا 25 12/39

مراسلات

"اُردو بھون" یا "اُردو محل"

(۱)

گزشتہ مہینے "ہماری زبان" میں "اُردو محل" کے عنوان سے یہ مراسلہ شائع ہوا تھا کہ انجمن ترقی اُردو (ہند) کی مجوزہ عمارت کے لئے "غالب کدہ" کی تجویز "غالب ہاؤس" کے خلاف تردیدی دلیلوں سے مسترد ہو ہی جاتی ہے، مگر "اردو بھون" کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔

یہ تو صحیح ہے مگر اس نام کی مخالفت کرنے والے بزرگ نے اس استدلال کا کچھ جواب نہیں دیا کہ بھون کا لفظ اکبر کے تعمیر کردہ قلعہ آگرہ کی ایک عمارت کے نام کا جُز ہے اور سیکڑوں برس سے استعمال ہو رہا ہے۔ گویا بھون کو اختیار کرنے کا تاریخی اور چار سو برسوں کی چلن کا جواز ہے۔ انھوں نے اس استدلال کا بھی کچھ جواب نہیں دیا کہ دہلی کی بیسیوں سرکاری، عوامی، دفتری اور نجی کوٹھیوں کا نام چونکہ بھون پر ختم ہوتا ہے جیسے سپلائی سیکس پیول بھون، آزاد بھون، کرشی بھون، ودگیان بھون، کلا بھون، بہائی بھون وغیرہ اس لئے راج دھانی کے مقبول عام لفظ سے اُردو بھون کا نام بھی مناسبت پیدا کرے گا اور ہم آہنگ ہوگا۔ غرض تاریخ، مقامی مناسبت اور ہم آہنگی کو صاف نظر انداز کرتے ہوئے فاضل معترض نے صرف یہ ارشاد فرمایا:۔

"یہ بڑا ہوا اس لسانی تنگ نظری کا کہ آج شاہی محل اور راج محل پر بھی راج بھون کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔"

پہلے تو یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ چوٹ کس پر کی جا رہی ہے اور شاہی محل یا راج محل سے کیا مُراد ہے اور کس کی طرف اشارہ ہے، دوسرے بھوت کے سوار ہونے کی ترکیب (دل آویز تحریر کے قطع نظر) جذباتی ہے یا استدلالی؟

بھون کا لفظ پنڈت موتی لال نہرو کی مشہور کوٹھی "آنند بھون" کی وجہ سے خود بہت مقبول ہو گیا ہے، کیونکہ یہاں بابائے قوم سے لے کر ہر درجے، حیثیت، مرتبے اور صوبے کے ہزاروں لوگ آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیتے ہوئے رہ چکے یا وہاں منعقد ہونے والی کانفرنسوں، لکچروں اور مشوروں میں شریک ہو چکے ہیں۔ اسی عمارت کا نام سوراج بھون ہو گیا اور اس کے قریب ہی کی کوٹھی کا نام آنند بھون رکھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ہندوستان میں بیسیوں عمارتیں ہیں جن کے ناموں میں بھون شریک ہے اور یہ نام اُردو والوں اور اُردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے رکھے ہوئے ہیں۔

نہ معلوم ایسے لفظ کو بھی "بھدا" ٹھہرانا اس کے موافق لوگوں پر تنگ نظری کا الزام لگانا اور اپنے ذوق لطیف کے ثبوت میں بھوت پریت کا حوالہ دینا کہاں تک ذوق سلیم رکھنے والوں کو زیب دے سکتا ہے؟

نفسیاتی نقطہ نظر سے بھی اُردو محل کا نام موزوں نہیں کیونکہ محل سے سرمایہ داری اور شہنشاہیت، رعونت اور سامراجیت خود غرضی اور اقتدار پرستی، استحصالی معیشت اور من مانی استبدادیت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ محل سے اُردو کی صدر عمارت کو منسوب کرنا اس کو غیر ہر دل عزیز اور عوام سے بیگانہ بنانا ہے۔ اُردو ہمیشہ متوسط طبقوں اور عوام سے وابستہ رہی ہے۔ عوام میں وہ پیدا ہوئی اور متوسط طبقوں میں پھلی پھولی اور انھیں کی بدولت ادبی زبان کے مرتبے تک پہنچی۔ محلوں نے اسے اپنایا بھی تو اس وقت جب وہ خود زوال آلودہ اور زوال پذیر ہو گئے تھے محل کا لفظ اس عمارت کو زیب دے سکتا ہے جہاں صرف یا زیادہ تر شان و شوکت، حکومت اور حاکمیت ہو۔ محل کا لفظ اس عمارت کو زیب نہیں دے گا جہاں خیر اندیش خدمت گزار اور سچے بہی خواہ صرف اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے جمع ہوں گے اور جہاں اُردو کی ترقی کے لئے علمی، ادبی اور کاروباری کتابیں اکٹھا کرکے تحقیق و تفتیش کے لئے فراہم کی گئی ہوں گی۔ اُردو کی سیوا کرنے والے اس عمارت کے قریب جاتے ہوئے بھی جھجکیں گے، جہاں محل کا نام انھیں راجاؤں اور نوابوں، رئیس اور جاگیرداروں کی یاد دلاتا رہے گا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے مغرور دربان اور نیزے سنبھالے ہوئے پہرے دار نظر آتے رہیں گے جو گزرے ہوئے زمانے میں اور گاہ گاہ اب بھی جھڑکیاں دے کر اور ڈرا کر عوام کو محلوں سے دور رکھتے تھے۔

اللہ نے چاہا تو حسب امید اور حسب توقع اُردو کی سب سے بڑی منظم جماعت کی صدر عمارت میں زیادہ تر اُردو کے بے لوث خدمت گزار، اُردو کی بھلائی کے لئے منصوبے بنانے والے خیر خواہ، اُردو کی علمی ترقی کے لئے اصطلاحیں بنانے والی جماعتیں، اُردو کو پھیلانے اور رواج دینے کے لئے ہر نوع کی کوشش کرنے والی باثر، باعمل اور باخبر ہستیاں ہوں گی۔ ایسی عمارت کو جمہوری ہندوستان کی راج دھانی کی بے شمار علمی، ادبی، تہذیبی اور سرکاری عمارتوں کے ہم آہنگ نام سے منسوب کرکے اُردو بھون کہنا ہر لحاظ سے بہتر ہوگا۔

ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور ظاہر کرنے کا حق ہے اور وہ اُردو محل ہی نہیں بلکہ اُردو مینشن، اُردو کاسل یا اُردو پیالس بھی تجویز کر سکتا ہے۔ مگر "اُردو دوست عوام" یا ان کے "عام مذاق" کے بارے میں حکم آمیز یا قطعی فیصلہ کرنا آسان نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عوامی مذاق کی تشخیص سرے سے غلط ہو رہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی پسند و ناپسند کو جمہور کی پسند و ناپسند سے خلط ملط کیا جا رہا ہو۔ شاید ایک مخصوص حلقے کی جز جماعتی رائے کو سارے ہندوستان کے تقریباً آٹھ دس کروڑ اُردو بولنے والوں کی رائے سمجھ لی گئی ہو۔ بے شک "اردو بھون" کی ترکیب مخصوص مقاموں میں نامانوس ہونے کی وجہ سے بعض افراد یا خاص خاص جماعتوں کو شروع شروع میں ناگوار گزرے گی مگر

کچھ دنوں کے بعد خود انھیں ہی اچھی معلوم ہونے لگے گی۔ کسی نام کی مقبولیت یا غیر پسندیدگی کا تعلق قسمت سے بھی ہے۔ آخری فیصلہ مستقبل کے ہاتھوں ہے۔ پھر اس قسم کی قطعی پیشین گوئی کرنا کہاں تک صحیح ہے کہ:

"اردو دوست عوام اس لفظ (اردو بھون) کے بھدے پن کے سبب آپ کی تجویز سے ہرگز اتفاق نہیں کرسکیں گے۔"

آخر میں صرف یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جس لفظ کو آپ بھدا اور بوجھل قرار دے رہے ہیں اُسے ہم تاریخی آوازیاتی (Phonetic) اور معنوی اعتبار سے نہ صرف مناسب اور عمدہ سمجھتے ہیں بلکہ علامہ سید سلیمان ندوی کے ہم خیال اور ہم زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ہماری پرانی اُردو میں جو سیکڑوں "پیارے اور میٹھے" لفظ تھے جیسے "موہن، سجن، پریم، بچن، داس، ریت، درپن، جگت، برہ، مکھ، چھب، پیا، لٹک (ادا)، دیا (رحم)، چرن، پیتم، ادھک وغیرہ" جنھیں اُردو کے لفظی سرمایہ کو محدود کرنے والے نادانوں نے متروک کردیا" انھیں دوبارہ کام میں لانا چاہیے" (نقوش سلیمانی دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ صفحہ ۹۷) بھون تو متروک بھی نہیں۔ "بھون" کا لفظ تو "تزک جہاں گیری" میں بھی موجود ہے۔

(ڈاکٹر) جعفر حسین

(۲)

دہلی میں انجمن ترقی اُردو ہند کی مجوزہ عمارت کے لئے جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب نے "ہماری زبان" کی کسی اشاعت میں اُردو بھون نام تجویز فرمایا ہے، اس نام کے ہلکے پھلکے حسین و خوب صورت اور اس سے کہیں زیادہ موجودہ زمانے کے مطابق ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن ذوق ہی کو قبول کرنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہا ہے، بھون کا لفظ اُردو کی بول چال میں الہ آباد میں پنڈت موتی لال نہرو کی عظیم الشان کوٹھی کے نام کی تقریب سے آیا، جس کا پہلے نام پنڈت موتی لال نہرو کے مذاق کے مطابق عشرت منزل تھا جو پچھلی قومی تحریکوں کے زمانے میں بدل کر آنند بھون ہو گیا، اور اُسی نام سے وہ ساری دنیا میں مشہور ہے، اب کس کو یاد ہوگا کہ اُس کا نام کبھی عشرت منزل بھی تھا۔

پنڈت موتی لال نہرو نہ صرف یہ کہ بہت اچھی صاف شستہ ٹکسالی اُردو بولتے تھے، بلکہ اُردو اور فارسی کا بہت اچھا مذاق بھی رکھتے تھے۔ وہ جلسوں اور کانفرنسوں میں خالص اُردو میں تقریریں کرتے تھے جن کو سن کر سامع وجد میں آجاتا تھا۔ یو۔پی کے مشرقی اضلاع کے دورہ کے سلسلے میں جب وہ اعظم گڑھ آتے تھے تو شبلی منزل میں ٹھہرتے اور مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی کے مہمان ہوتے تھے، اور اس تقریب سے بارہا بہت قریب سے ان کی گفتگو سننے کی سعادت حاصل ہوتی تھی، ان کی زبان کا ایک جملہ تو اب تک کانوں میں گونج رہا ہے کہ

"بھائی واہ! اس کی منطق عالی تو میری سمجھ میں آتی نہیں...
جواہر لال جب چاہیں کھائیں میں تو آپ ہی صاحبوں کے ساتھ کھاؤں گا۔"

اُس وقت یہ سرمایۂ نازش و افتخار باپ بیٹے ایک ہی ساتھ شبلی منزل میں الگ الگ کمروں میں ٹھہرے تھے، پنڈت جواہر لال کی سادگی کا اس وقت یہ عالم تھا کہ خالص کھدر کی سفید دھوتی پہنتے تھے اور عام ہندوؤں کی طرح دھوپ میں کھڑے ہو کر کھلاتے تھے، میز یا دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے کھانے کے بجائے محنت و مشقت کا عادی بننے کے لئے زمین پر بیٹھ کر بھوجن کھانے کی عادت ڈال رہے تھے اور کانگریس کے تمام ورکروں اور والنٹیروں کے ساتھ بے تکلف کھاتے پیتے تھے، لیکن پنڈت موتی لال نہرو کا سیاسی مذاق تو ضرور بدل گیا تھا لیکن تمدن، معاشرت اور رہن سہن بالکل نہیں بدلا تھا وہ میز یا دسترخوان پر اب تک بیٹھ کر کھاتے تھے، اور کھدر کے نہایت عمدہ اور خوبصورت لباس زیب تن فرماتے تھے، جن کو دیکھ کر کوئی مشکل ہی سے باور کرسکتا تھا کہ یہ کھدر کے ہوں گے۔

بھون کا لفظ انہی پنڈت جی موصوف کے مکان کے نام کی تقریب سے پہلی مرتبہ سننے میں آیا، اور پھر بڑی تیزی سے چل پڑا اور زبانوں پر آگیا مگر وہ ہر حال میں ہندی ہی کا لفظ سمجھا گیا، ہندی ہی جاننے اور بولنے والوں کے حلقے میں بولا جاتا رہا۔ اور وہی اپنی عمارتوں اور یادگاروں کا انہی کے مناسب کوئی اور لفظ ملا کر نام رکھتے رہے، اُردو والوں نے کبھی اس کو استعمال نہیں کیا، بھون کا لفظ خواہ کتنا ہی دلکش اور حسین ہو لیکن لفظ اُردو کے ساتھ کسی طرح میل نہیں کھاتا، سائن بورڈ پر نظر پڑتے ہی ذہن اسی کی طرف بے اختیار منتقل ہوگا کہ یہ بھی ہندی ہی کی قسم کا کوئی ادارہ ہے جس میں ہندی کی نشو و نما اور ترقی و فروغ کا کام ہو رہا ہے، جو اس عمارت کے پس منظر سے واقف نہ ہوگا، وہ کبھی اس نام سے اُردو کی ترقی و اشاعت کا ادارہ نہیں سمجھے گا، ہمارے نزدیک اس کا نام وہ رکھنا چاہیے جو اُردو کی روح، مزاج اور اس کی تاریخ اور روایات کے مطابق ہو۔

ہم کو خدانخواستہ لفظ بھون سے کوئی بیر نہیں ہے، اس میں بلاشبہ بڑی جامعیت اور دلآویزی ہے اور آنند کے ساتھ تو بہت ہی بھلا اور پیارا معلوم ہوتا ہے، لیکن اُردو کے ساتھ اس کی ترکیب ذوق پر حد درجہ گراں ہے۔

ہم کو امید ہے کہ ہمارے فاضل ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے اس تجویز کردہ نام کو واپس لے لیں گے، اور اس عمارت کے لئے کوئی اور موزوں نام جو خالص اُردو ہو، سوچیں گے اور ہمارے سامنے رکھیں گے، اُردو گھر بھی نام رکھا جاسکتا ہے، لیکن وہ حیدرآباد دکن میں کثرت استعمال سے بے حد پامال ہو گیا ہے جو اب کانوں کو بھلا نہیں لگتا، اس کے لئے وہ نام تجویز فرمایا جائے جس پر نظر پڑتے ہی ذہن، اُردو کی ترقی و فروغ اور ترویج و اشاعت کی کوششوں کی طرف منتقل ہو جائے، جو سارے ہندوستان میں اس ادارے کے تحت منظم طور پر ہو رہی ہیں۔

(ابو علی)

ادبی مجلس نئی دلی

۲۰رجنوری کو ادبی مجلس (نئی دہلی) کی ایک ادبی نشست میں جگن ناتھ صاحب آزاد نے یہ انکشاف کیا کہ اُردو ادب کے مشہور محقق جناب مالک رام، جو آج کل بلجیم میں ہیں، غالب کے فارسی کلام کا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں جس میں غالب کا وہ فارسی کلام بھی شامل ہو گا جس کے اصل نسخے ہندوستان میں عنقا ہیں اور جسے جناب مالک رام نے بیرونی ملکوں کی لائبریریوں سے حاصل کیا ہے۔

جگن ناتھ صاحب آزاد ادبی مجلس (نئی دلی) کی اس نشست میں یورپ کی اپنی حالیہ سیاحت کے تاثرات پیش کر رہے تھے۔ نشست کی صدارت جناب صابر ابوہری نے کی۔ آزاد صاحب نے "پاکستان میں اُردو کا مستقبل" کے عنوان پر بی بی سی کے ایک مباحثے کا ذکر کیا، جس مباحثے میں پاکستانی نمائندہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں اُردو کا مستقبل تاریک ہے۔ لیکن جب انھیں بتایا گیا کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں نہ صرف اُردو علم و تحقیق کے نئے نئے باب کھلے ہیں اور درجنوں یادگار کتابیں شائع ہوئی ہیں تو انھیں بہت حیرت ہوئی اور وہ بہت خوش ہوئے کہ ہندوستان میں اُردو زبان کی راہیں ہموار ہیں۔ آزاد صاحب نے بتایا کہ وہ یورپ میں جہاں بھی گئے انھیں اُردو بولنے والے مل گئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک اطالوی اینزو تربیانی اور ایک انگریز رالف رسل کا خاص طور سے ذکر کیا جو اردو زبان و ادب میں باقاعدہ دلچسپی لیتے ہیں۔ (جیندر)

یوتھ اُردو ایسوسی ایشن، تاتارپور

یوتھ اُردو ایسوسی ایشن، تاتارپور، بھاگل پور کی ایک ادبی نشست ۲۶رجنوری کو زیر صدارت ڈاکٹر پروفیسر سید احمد حسن صاحب منعقد ہوئی۔ یٰسین صاحب یاس نے اپنا ناولٹ "ردِ عمل" سُنایا۔ تسنیم صاحب کوثر سے "ربطِ دل" ایک تاثر سُنا گیا۔ شمس الزماں صاحب شمس نے چینی حملہ آوروں کے متعلق اپنی ایک نظم میں اپنے جوش اور عزم کا اظہار کیا۔ سرفراز احسن صاحب ملک نے ہندی سے ترجمہ "وحشی تخیل" سُنایا۔ علی حسن صاحب ظفر نے اپنی بہترین کہانی "پچیس ہزار" سُنائی۔ سید فضل رب نے ایک رومانی افسانہ "اداس پرچھائیاں" سنایا۔

افسانوں کا دور ختم ہوتے ہی شاہین غازی پوری صاحب نے "سمندر کے کنارے" اپنی ایک کامیاب آزاد نظم سُنائی۔ اس کے بعد ندیم بھارتی، نصیر حمید خلش صاحبان نے اپنی غزلیں پیش کیں۔ (تسنیم کوثر)

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے

بزم شعر و ادب ناگپور

ناگپور، ۱۹رجنوری، مدرسہ معصومیہ مومن پورہ ناگپور میں زیر اہتمام "بزم شعر و ادب" زیر صدارت حمید اللہ خاں صاحب آذر سبھانی ایک شاندار ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا جو اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے نہایت کامیاب رہی۔ وکیل پرویز صاحب نے بزم شعر و ادب کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔

عظیم ناگپوری کے کلام سے نشست کی ابتدا ہوئی، اس کے بعد ظرف ناگپوری نے "ایک ادبی خط" اور وکیل پرویز صاحب نے اپنا افسانہ "جنگ جاری ہے" پیش کیا۔ اس کے بعد فرید خاں تنویر نے ایک مقالہ "حمید اللہ خاں آذر اور اُن کا رنگ تغزل" پڑھ کر سُنایا جسے لوگوں نے پسند کیا۔ (سید شوکت علی)

سالار جنگ میوزیم کی نئی عمارت کی تعمیر

مسٹر ڈی ایل دیواکر ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم و لائبریری نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ایک کروڑ روپے کی لاگت سے سالار جنگ میوزیم کی جدید عمارت کی تعمیر کے کام کا آغاز ہو گیا ہے۔ انھوں نے ایک خصوصی انٹرویو میں بتایا کہ وزیر اعظم نہرو کے ہاتھوں سالار جنگ نیشنل میوزیم کی جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا لیکن ملک کے موجودہ ہنگامی حالات کے باعث وزیر اعظم نہرو نے اپنا دورہ حیدر آباد ملتوی کر دیا ہے۔

ڈائرکٹر میوزیم نے بتایا کہ زیر تعمیر عمارت جدید ڈیزائن پر مشتمل ہوگی۔ عمارت کے کچھ حصے ایر کنڈیشن رکھے جائیں گے۔ مسٹر دیواکر نے ایک استفسار پر بتایا کہ خواتین بالخصوص پردہ نشین خواتین کے لئے لیڈیز گائیڈز مقرر کئے جانے کے مسئلے پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت بھی کچھ طالبات لیڈیز گائیڈز کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

اُردو کا نیا ماہنامہ

شری ایم بالارام نائب صدر انجمن تحفظ اُردو آندھرا پردیش نے اطلاع دی ہے کہ انجمن کے ترجمان ماہنامہ "قومی زبان" کا پہلا شمارہ ۲۰رفروری کو شائع ہوگا اور چیف منسٹر آندھرا پردیش رسم اجرا انجام دیں گے۔ وزیر اعظم جواہرلال نہرو، نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین، شریمتی وجے لکشمی پنڈت گورنر مہاراشٹرا اور شری وی وی گیری گورنر کیرالا نے "قومی زبان" کے لئے اپنے پیامات میں نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ وزیر اعظم نہرو نے اپنے پیام میں کہا کہ اُردو ہمارے ملک کی ایک اہم زبان ہے حکومت اس زبان کی ترقی کے لئے مناسب مواقع فراہم کر رہی ہے۔ شریمتی وجے لکشمی پنڈت نے کہا کہ قومی زبان وقت کے تقاضوں کو پورا کرے گا۔

معاصر

اُردو کی ترقی میں رُکاوٹ

ہم آج پھر ایک بار "صبح اُمید" کے ہمدردوں اور بہی خواہوں سے دو ٹوک طریقہ پر کچھ اہم باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ محسوس کر رہے ہوں گے کہ ہندوستان کے طول و عرض سے جہاں جہاں بھی اُردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے والے موجود ہیں رہ رہ کر یہ نعرہ سنائی دیتا ہے کہ "حکومت اُردو زبان کی خاطر خواہ سرپرستی نہیں کر رہی ہے" یا "اُردو کا مستقبل خطرہ میں ہے" وغیرہ وغیرہ۔ پہلے نعرے کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ حکومتوں کی سرپرستی سے کسی بھی زبان کے نشوونما اور فروغ میں کسی حد تک مدد ضرور مل جاتی ہے لیکن کوئی بھی زبان محض حکومتوں کی سرپرستی اور اعانت کے بل بوتے پر ہرگز فروغ نہیں پا سکتی۔ کیونکہ زبان عوام کی ہوتی ہے اور وہ عوام ہی کی سرپرستی میں، عوام ہی کے درمیان پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی ہے۔ اسطرح اگر کسی زبان کو عوام کی بھرپور تائید اور سرپرستی حاصل رہے تو پھر اس کے لئے حکومتوں کی اعانت یا سرپرستی قطعی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے حکومتوں سے گلہ شکوہ کرنے میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے کے بجائے بہتر یہ ہوگا کہ یہی توانائیاں زبان کے فروغ کی خاطر کارآمد اور مفید تجویزیں مرتب کرنے اور انھیں عمل میں لانے کے لئے صرف کی جائیں۔

دوسرا نعرہ کہ "اُردو کا مستقبل خطرہ میں ہے" ہمیں اس وقت صحیح محسوس ہونے لگتا ہے جب ہم نہایت افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ اُردو کے نام لیوا نعرہ بازی اور گلے شکوے کرنے میں تو پیش پیش ہیں لیکن اُردو مطبوعات، رسائل اور اخبارات خرید کر پڑھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ روزانہ اخبارات کے مطالعہ کی ضرورت اگر وہ کسی ہوٹل میں بیٹھ کر اخبار تو نہیں البتہ اخبار کے مڑے تڑے اور پھٹے پھٹائے ٹکڑے پڑھ کر پوری کر لینا چاہتے ہیں تو رسائل اور مطبوعات کے مطالعہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے وہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ مانگے تانگے کی کتابیں پڑھنے کا اصول اپنا لیتے ہیں۔ یہ طریقے لازمی طور سے اخبارات، رسائل اور کتابوں کی تعداد اشاعت پر بہت بُرا اثر ڈالتے ہیں اور یہ تعداد اس قدر محدود ہو کر رہ جاتی ہے کہ صحافت یا اشاعت کے میدان میں ہمت کر کے قدم رکھنے والے بھی اس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جب مطبوعات کی خاطر خواہ تعداد فروخت نہیں ہو سکے گی تو بھلا طباعت و اشاعت کے اخراجات کی سبیل کس طرح ہو سکے گی؟

اُردو کے نام لیواؤں کی اپنی عجیب غریب عادتوں کا نتیجہ ہے کہ معیاری اخبارات، رسائل اور کتابوں کی شدید کمی محسوس ہوتی ہے۔ اُردو کو بڑے دھڑلے کے ساتھ ہندوستان گیر زبان تو کہا جاتا ہے لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کے روزنامے، ماہنامے یا دوسری کتابیں بنگالی، تامل یا ملیالم جیسی علاقائی زبانوں کی مطبوعات کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ ان زبانوں میں سائنس، تاریخ، جغرافیہ اور کچھ وغیرہ جیسے موضوعات پر علٰحدہ علٰحدہ مستقل رسائل شایع ہوتے ہیں کیونکہ ان زبانوں کے بہی خواہ انھیں خریدتے، انھیں پڑھتے اور اس طرح ان کی سرپرستی کرتے ہیں لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اُردو کے متعلق آپ ہندوستان گیر ہونے کا دعویٰ تو فرمانا چاہتے ہیں لیکن اس کی مطبوعات خرید کر پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اگر آپ کو حقیقت میں اُردو زبان پیاری ہے اور اس کے ساتھ آپ کو سچی ہمدردی ہے تو گلے شکوے کرنے اور کھوکھلے نعرے لگانے سے باز آ جائیے اور عزم کر لیجئے کہ اخبارات، رسائل اور مطبوعات کی خریداری کے لئے آپ اپنی ماہانہ آمدنی کا ایک حصہ مختص کر دیں گے اور خود بھی اُردو مطبوعات خرید کر پڑھیں گے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس طرف مائل کریں گے۔ اس طرح نہ صرف اُردو مطبوعات کی اور ان کے توسط سے اُردو زبان کی سرپرستی ہوگی بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے ہاں ایک عمدہ لائبریری قائم ہو جائے گی جو آپ کی زندگی کے مختلف مرحلوں میں کام دے گی اور آپ کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے ایک نہایت قیمتی ورثہ ثابت ہوگی۔　　(صبح امید۔ بمبئی)

اُردو ٹریننگ کالج مالی گاؤں

ریاست مہاراشٹر کے شمالی حصہ مرہٹواڑہ و ودربھ کے حلقوں میں اُردو ٹریننگ کالج کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ اُردو دوستوں نے گزشتہ سال کیمپ میں ایک اُردو پرائمری ٹریننگ کالج کی بنا ڈالی۔ گزشتہ سال ایک کلاس اجرا کیا گیا جس میں ۴۴ اساتذہ تربیت کی غرض سے آئے نتیجہ سو فی صدی رہا۔

محکمۂ تعلیم کی منظوری کے بعد اس سال کالج زیادہ بہتر طریقہ پر کام کر رہا ہے۔ فی الحال ۹۴ اساتذہ زیر تربیت ہیں، جو زیادہ تر مرہٹواڑہ کے اضلاع سے آئے ہیں۔

ابھی گزشتہ ہفتہ ہی ایجوکیشنل انسپکٹر ناسک نے کالج کا معائنہ کیا اور ہمت افزا رپورٹ پیش کی۔ یقین واثق ہے کہ چند ہفتوں کے اندر ہی یہ کالج سرکاری منظوری حاصل کر لے گا۔ اس کالج کو دو ششماہیوں کی سرکاری گرانٹ مل چکی ہے اور تعمیر کا سرکاری گرانٹ بھی جلد ہی آنے والی ہے۔ عمارت کے لئے جگہ حاصل کر لی گئی ہے لیکن تعمیر کے مراحل ابھی باقی ہیں۔　　(م م سب۔ مالی گاؤں)

گرلس ہائی اسکول مالی گاؤں

مالی گاؤں میں مدت سے ایک اُردو گرلس ہائی اسکول کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اراکین جدید انجمن تعلیم نے جہاں گزشتہ سال سے اُردو پرائمری بیسک ٹریننگ کالج کی بنا ڈالی وہیں اس سال جون ۱۹۶۲ء سے لڑکیوں کے لئے علٰحدہ "گرلس ہائی اسکول" بھی قائم کر دیا۔

اس ہائی اسکول کو سرکاری منظوری بھی حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اسی خوشی میں یوم جمہوریہ کے موقع پر ایک جلسہ اور تفریحی پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔ جلسے کی صدارت محترمہ فاطمہ بیگم ڈاکٹر رفیق زکریا نے کی۔ ہیڈ مسٹریس نے اسکول کی رپورٹ اور طالبات نے تفریحی پروگرام پیش کیا، جسے پسند کیا گیا۔　　(محمودہ بیگم، ہیڈ مسٹریس)

رئیس اجمیری

"سروش" لاہور

لاہور ہمیشہ اُردو تہذیب کا ایک اہم مرکز رہا ہے ، اس کی بساط سے اعلیٰ علمی و ادبی سطح کے مقبول عام اُردو جرائد و اخبار ہر عہد میں نمایاں طور پر اشاعت پذیر ہوتے رہے ہیں اور آج بھی اس بہشت رنگ دیار میں شعر و ادب کے 'سدا بہار پودوں' کی خوب خوب آبیاری کی جارہی ہے ——— غالباً سنہ ۱۹۲۹ء میں لاہور ہی سے ایک خالص ادبی مصوّر ماہنامہ 'سروش' کا اجراء عمل میں آیا تھا ——— مجھے حضرت العلام مولانا خواجہ معنیؒ کے یادگار 'معینی کتب خانہ' (اجمیر) میں 'سروش' کی ایک فائل ملی ہے جس میں مندرجہ ذیل پرچے موجود ہیں :-

(۱) 'سالگرہ نمبر' جلد ۳ شمارہ نمبر ۱ بابت جنوری ۱۹۳۱ء ضخامت ۱۰۴ صفحات . سائز ۳۰×۲۰ کتابت و طباعت نفیس اور شگفتہ . سرورق کے لئے رنگین آرٹ پیپر استعمال کیا گیا ہے .

(۲) جلد ۳ - شمارہ نمبر ۵ - بابت مئی سنہ ۱۹۳۱ء ضخامت ۶۶ صفحات ...

(۳) 'افسانہ نمبر' جلد ۳ - شمارہ نمبر ۶ - بابت جون سنہ ۱۹۳۱ء ضخامت ۸۲ صفحات ...

(۴) جلد ۳ شمارہ نمبر ۷ بابت جولائی سنہ ۱۹۳۱ء ضخامت ۸۰ صفحات ...

'سروش' کے پرنٹر و پبلشر محمد عنایت خاں حیرت تھے اور ادارے میں حیرت ، رفیقی اور قیسی بحیثیت مسئول ، مدیر اعزازی اور معاون کے علی الترتیب شامل تھے . جناب حیرت سے متعلق میں اپنی عدم واقفیت کی بناء پر کچھ عرض کرنے سے قاصر ہوں - ہاں ! سروش کی حسن ترتیب دیکھ کر یہ احساس ضرور ہوا کہ وہ صحافت کی اعلیٰ معیاری قدروں سے بخوبی آشنا تھے ، ان کی چند نظمیں ، افسانہ اور شذرات زیر نظر شماروں میں نظر سے گزرے ہیں اور بس ! ——— رفیقی اجمیری ——— اپنے زمانے کے صاحب طرز ادیب ، ممتاز صحافی ، ہونہار اور پُرگار شاعر ، اختر شیرانی کے یار غار ، نیاز فتح پوری کے رفیق خاص اور ساغر نظامی کے عزیز ترین ساتھیوں میں سے تھے . رفیقی اک جوہر قابل تھے ، ان کے قلم میں رومانی ادب کی لازوال تخلیقی صلاحیتیں تھیں ، اگر وہ زندہ رہتے تو یقیناً اُردو ادب میں ایک بڑی شخصیت معدوم ہو جاتی ... " قیسی جو آج کل قیسی رام پوری کے نام سے اُردو دنیا میں کافی شہرت رکھتے ہیں ، اُس زمانے میں قیسی اجمیری کے نام سے بھی لکھا کرتے تھے - قیسی کی افسانہ نگاری کی ابتدا اجمیر ہی میں ہوئی - ان کے اس شوق کو پروان چڑھانے میں حضرت العلام خواجہ معنیؒ اور حضرت رفیقی کا بڑا ہاتھ تھا ، رفیقی کی سرپرستی و نگرانی میں ابوالعرفان مولانا فضائی ٹونکی نہایت ہی حسین و جمیل ادبی مجلہ ماہنامہ 'کیف' اجمیر سے ایڈیٹ کیا کرتے تھے - قیسی کے ابتدائی افسانے 'کیف' میں خصوصیت کے ساتھ شایع کئے جاتے تھے . اجمیر کے دوران قیام ہی میں قیسی کا پہلا افسانوی مجموعہ "کیفستان" (مجلہ کیف کے شایع شدہ افسانے) شایع ہوا تھا .

——— بہرکیف 'سروش' ، حیرت ، رفیقی اور قیسی کی مشترکہ جدوجہد اور کاوش سے نہایت آب و تاب کے ساتھ نکلتا تھا . 'سروش' کو اچھے معقول لکھنے والوں کا تعاون حاصل تھا . اسے کچھ مخصوص ادبی روایتوں ، جدت طرازیوں اور نرالی سج دھج کی وجہ سے اپنے معاصرین میں یقیناً کافی ممتاز درجہ حاصل ہوگا . 'سروش' کی ایک خصوصیت و ندرت یہ بھی تھی کہ اس میں ہمیشہ کچھ حسین و دلکش تصاویر اور اُن سے متعلقہ نظمیں بھی شایع کی جاتی تھیں .

سالگرہ نمبر کے بعض اہم مضامین نثر و نظم کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

شاعر اور سروش (نظم) علامہ سیماب اکبرآبادی .
عقد ثریا (غزل) حضرت نظم طباطبائی .
علامہ شبلی ایک سیاح کی حیثیت میں (مقالہ) ملک عبدالقیوم صاحب بی ، اے ، (علیگ) بیرسٹر .
میری دُنیا (نظم) حیرت
محبت کی قربانیاں (افسانہ) حضرت مجنوں گورکھپوری .
شعر لطیف (نظم) مولانا علی اختر صاحب اختر .
دوسروں کا سفر اور میرا قلم (مزاحیہ) مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے دہلوی .
چھیڑ (نظم) مولانا رفیقی اجمیری .
بخت بارک کا نسخہ (افسانہ) پروفیسر علی عباس حسینی ایم اے .
معلم ثانی حکیم ابونصر فارابی بحیثیت ایک مغنی کے ، حکیم آشفتہ لکھنوی .
فلسفۂ تغزل (غزل) دل شاہ جہاں پوری .
السلام علیکم (مزاحیہ) شوکت تھانوی .
حسن اور محبت (نظم) منظر صدیقی .
بارہ تصویریں (دیرتوں کا مرقع) مولانا فضائی ٹونکی .
الہام (نظم) ساغر نظامی .
ناوک انداز سحر (نظم) شاطر غزنوی .
داستانِ بلاکشانِ دشتو (افسانہ) رفیقی اجمیری .

نشاۃ ثانیہ اور جدید اُردو شاعری (مقالہ ادبیہ)
میاں تصدق حسین خالد۔

کش مکش (افسانہ) قیسی از اجمیر۔
میں تجھ کو نہیں بھولا (نظم) باسط بسوانی۔
درختوں کی پوجا (مقالہ) مولانا وحید گیلانی۔
خوابِ حسین (نظم متعلقہ تصویر) اظہر امرتسری۔
فرشتوں کے اندیشے (نظم متعلقہ تصویر) شاطر غزنوی۔
شکستِ عہد (افسانہ) نسیم انہونوی۔
ڈاکٹر اقبال کے کلام پر حق و ناحق نکتہ چینی (مقالہ) سراج الحسن سراج لکھنوی۔
غزل، حضرت صفی لکھنوی۔
رانی (افسانہ) ڈاکٹر اعظم کریوی۔
پیار کی امانت (افسانہ) ساغر نظامی۔
سحرِ موسیقی (افسانہ) آمین سلونوی۔
انسان کے دو پہلو (ادب) مس حجاب اسمٰعیل صاحبہ۔
خواہ مخواہ (مزاحیہ) مولانا تمکین الکاظمی وغیرہ وغیرہ۔

شمارہ نمبرہ بابت مئی ۱۹۳۱ء :-

اُن کی یاد (نظم) مولوی علی اختر صاحب اختر۔
خوابِ ہستی (نظم) حیرت۔
جزیرۂ کریٹ (مقالہ) صوفی غلام مصطفٰے تبسم ایم اے۔
پردیسی سیاں (نظم) مولانا رفیق اجمیری۔
رہنما عشق و دیار خرد (افسانہ) مولانا رفیق اجمیری۔
تصویرِ بہار (نظم) باسط بسوانی۔
السنۂ فرنگ اور عربی (مقالہ) مولانا افضل الدین حسن فیاض بی۔اے۔
لے بسا آرزو کہ خاک شدہ (افسانہ) قیسی رام پوری۔
طاہوزی (فکاہی) محشر عابدی ...
(افسانہ نمبر) شمارہ نمبر ۶ بابت جون ۱۹۳۱ء :-
تارک الدنیا (منظوم افسانہ۔ گولڈ اسمتھ کی مشہور و مقبول نظم "دی ہرمٹ" کا ترجمہ بہ ادنیٰ تصرف
(افسانہ نگار) مولانا رفیق اجمیری۔

پیا کی یادیں (نظم) حیرت۔
جذباتِ عالیہ (غزل) نظم طباطبائی۔
کب تک (نظم) مولوی سید علی اختر۔
شہیدِ وطن (افسانہ) ڈاکٹر اعظم کریوی۔
علی محمود (منظوم افسانہ) باسط بسوانی۔
عظیم الشان رات (افسانہ) حیرت۔
بادۂ شیراز (غزل) علامہ عارف بدایونی۔
بپتی ورتا (افسانہ) نسیم انہونوی۔
دنیا کی رنگینیاں (نظم) حیرت۔
بیگانگی (نظم) مولانا عرشی امرتسری۔
کرشمے حسن و عشق میں (افسانہ) قیسی رام پوری۔
چینی بنجارہ (افسانہ) شمشیر صمدی۔

تقاضائے شباب (نظم) رفیق اجمیری۔
نقاب بے نقاب (نظم) ایناش ڈرو کھی۔
ریل کا سفر (افسانہ) صوفی غلام مصطفٰے تبسم ایم، اے۔
صحرا کی رقاصہ (افسانہ) محشر عابدی۔
چھ ہزار پونڈ تین شلنگ ایک پنس (افسانہ) خان شاطر غزنوی۔
موت اور پشیمانی (افسانہ) غلام نبی حیرت ...

شمارہ نمبر ۷ بابت جولائی ۱۹۳۱ء میں :-

نے نواز (نظم) حیرت۔
نوائے سروش (نظم) راز رام پوری۔
السنۂ فرنگ اور عربی (مقالہ علمیہ) مولانا افضل الدین حسن فیاض بی اے
وصل کی رات (نظم) صدیق جائسی۔
جب نیند ترجمان ہو (افسانہ) رفیق اجمیری۔
تجلیات (غزل) مولانا حسرت موہانی۔
جذباتِ عالیہ (غزل) دل شاہ جہاں پوری۔
عرب کی ایک اولوالعزم خاتون (اسماء بنت شہاب)
مولانا ظفر علی خاں صاحب۔
بے کسی میری (غزل) شاطر غزنوی۔
لے بسا آرزو کہ خاک شدہ (افسانہ بسلسلۂ گزشتہ) قیسی رامپوری۔
ہنگامۂ مرزا پور کانپور (نظم) حیرت ... لائق ذکر ہیں۔